© rasailojaraid.com

تحقیق وتنقید

حافظ محمد زبیر

اجتہاد یا الحاد

'اجتہاد' اور 'جہاد' عصر حاضر کی دو مظلوم اصطلاحیں ہیں۔ معاصر اسلامی معاشروں میں جس قدر ذہنی انتشار و فکری بگاڑ بڑھ رہا ہے، اس کی بڑی وجہ متجددین کا تصورِ اجتہاد ہے جبکہ دوسری طرف جتنی بھی منہج وعمل کی کج روی ہے، وہ متشددین کے نظریہ 'جہاد' سے پھوٹتی ہے۔

ویسے تو دنیا بھر میں ہی آئے روز نت نئے عجوبے پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن برصغیر پاک وہند اور مصر کو عالم اسلام میں اس لحاظ سے خصوصی امتیاز حاصل رہا ہے کہ دین حنیف سے منحرف ہونے والے اکثر و بیشتر گمراہ فرقوں کے سربراہان اور اسلامی اساسات وعقائد میں بگاڑ پیدا کرنے والے متجددین کا تعلق زیادہ تر انہی قطعہ ہائے زمین سے رہا ہے۔ خصوصاً برصغیر پاک وہند ابتدا سے ہی گمراہ فرقوں، متجددین، مفکرین اور نام نہاد مجتہدین کے لحاظ سے بہت زرخیز رہا ہے۔ ہند وپاک میں اس وقت اس قدر کثیر تعداد میں نام نہاد مفکرین پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کی برآمد (export) کا کاروبار شروع کیا جائے، تو شاید عصر حاضر کا سب سے نفع بخش کاروبار یہی شمار ہو۔ زیر نظر مضمون میں ہم ایسے مفکرین کے تصور 'اجتہاد' کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ!

پاکستان کی 'اسلامی نظریاتی کونسل' ایک حکومتی ادارہ ہے اور آئین پاکستان کے مطابق اس کا کام پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے لیے ایسی سفارشات پیش کرنا ہے، جن کی روشنی میں عوام پاکستان دین اسلام کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں۔ اس کونسل کی پہلی بنیاد ۱۹۶۲ء کے آئین کے آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت رکھی گئی تھی۔ اُمتِ مسلمہ میں پیدا شدہ فکری انحراف کو ہوا دینے کے لیے حال ہی میں 'اسلامی نظریاتی کونسل' سے منسلک سرکاری وغیر سرکاری متجددین نے 'اجتہاد' کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا ہے۔ اس رسالے کے تا حال

© rasailojaraid.com

تین شمارے شائع ہو چکے ہیں جن میں فکرِ اسلامی کے منحرفین، فقہ اسلامی کے متجددین اور 'پڑھے کم، لکھے زیادہ' دانشوران نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں شریعت سے ناواقف ان معاصر مجتہدین کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کے لیے ننگے سر و نیم عریاں بدن کے ساتھ خواتین کی تصاویر بھی جا بجا رسالہ اجتہاد میں موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی نظر میں کم فہم مولویوں کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہ آ رہی ہو کہ 'اجتہاد' کے موضوع کا عورتوں کی ننگی تصاویر چھاپنے سے کیا تعلق ہے، لیکن ہمیں اُمید ہے کہ مولویوں کا منہ بند کروانے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کے محققین سہ ماہی 'اجتہاد' کے آزادئ نسواں کے کسی شمارے میں اس تعلق کے اثبات میں ضرور حکمت کے موتی بکھیریں گے۔ یہ عورت ذات بھی عجب شے ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کی رونق اپنے بغیر ادھوری سمجھتی ہے۔ محسوس ہوتا ہے، اب کے تو یہ عورتیں جمالیاتی حس کی بیداری کو ہمارے ان مجتہدین سے اجتہاد کی بنیادی شرائط و اہلیت میں شامل کروا کے ہی دم لیں گی۔

خیر اس موضوع پر تبصرے کے لیے ابھی ہم سہ ماہی 'اجتہاد' کے مزید شماروں کا انتظار کرتے ہیں۔ اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ سہ ماہی 'اجتہاد' کے پہلے شمارے کا موضوع 'اقبال اور اجتہاد'، دوسرے کا 'اسلام اور مغرب' اور تیسرے کا 'جدید علم الکلام' تھا۔ پرویز مشرف کی تشکیل کردہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور رسالہ 'اجتہاد' کے مدیر مسئول جناب ڈاکٹر خالد مسعود اس رسالے کے اجرا کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رسالہ 'اجتہاد' کا مقصد اجتہاد پیش کرنا نہیں بلکہ اسلامی دنیا میں جاری فکری عمل کا جائزہ پیش کر کے دعوتِ فکر و عمل دینا ہے۔" (سہ ماہی 'اجتہاد'، جون ۲۰۰۷ء، ص۲)

ڈاکٹر خالد مسعود کی اس بات پر ہم دو پہلوؤں سے گفتگو کریں گے۔ پہلی بات جس کا تذکرہ خالد مسعود صاحب نے کیا ہے کہ "رسالہ اجتہاد کا مقصد اجتہاد پیش کرنا نہیں ہے۔" تو اس رسالہ اجتہاد کو دیکھنے کے بعد یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ مسعود صاحب کے اس دعوے کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو خود کو شادی کے لیے نا اہل بتاتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس نے چار شادیاں رچا رکھی ہوں اور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہوئے زبان سے ہر کسی کو یہی باور کراتا ہے کہ میں "ساری زندگی شادی نہیں کروں گا۔" رسالہ اجتہاد کے ہر دوسرے مقالے میں کوئی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

نہ کوئی مجتہد صاحب نت نئی تحقیقات پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، راشد شاز، خورشید احمد ندیم، الطاف احمد اعظمی اور خود ڈاکٹر خالد مسعود وغیرہ کی تحریریں اجتہادات نہیں تو کیا تقلیدِ جامد کو پیش کر رہی ہیں۔

ان تحریروں میں ان حضرات کے اپنے اجتہادات بھی شامل ہیں اور دوسرے روشن خیال دانشوروں کی تحقیقات بھی۔مسعود صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے اس رسالے کا مقصد اسلامی دنیا میں پیش آنے والے فکری عمل کا تعارف ہے۔رسالہ اجتہاد کے اجرا کے اس عظیم مقصد کے بارے میں ہم یہی کہیں گے کہ دنیاے اسلام میں جہاں جہاں نظریاتی بگاڑ، عقیدے کی کجی اور ذہنی انتشار وغیرہ موجود تھا، رسالہ اجتہاد نے اس سارے 'گند' کو اکٹھا پیش کرنے کے منصوبے کا آغاز کیا ہے۔ مثال کے طور پر خورشید احمد ندیم صاحب کو لیں۔ وہ سہ ماہی 'اجتہاد' ستمبر ۲۰۰۸ء میں مصر کے حوالے سے متجددین کی ایک علمی تحریک کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیسیویں صدی عیسوی کے مصر میں ایک جدید فکری تحریک نمودار ہوئی جو 'وسطانیہ' کے نام سے منسوب ہے۔اس تحریک کے نمائندہ حضرات خود کو 'جدید اسلامی رجحان' کا نمائندہ قرار دیتے ہیں۔اپنے خیالات کے اعتبار سے یہ گروہ روایت پسند اور سیکولر دونوں طرح کے طبقات سے مختلف ہے اور گویا دونوں کے وسط میں ہے۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء: ص ۱۱۷)

دوسری طرف عالم اسلام کی دو معروف اسلامی تحریکوں 'جماعت اسلامی' اور 'الاخوان المسلمون' کے بارے میں اپنے دل و دماغ میں بھرے ہوئے زہر، اور بغض کا اس پیرائے میں اظہار کرتے ہیں:

''مصر ایک ایسا ملک ہے جس کو اسلام کے نام پر ہونے والی پرتشدد سرگرمیوں کا سامنا ہے وہاں جہاد، اسلامک گروپ اور التکفیر والھجرۃ جیسے گروہ سرگرم ہیں۔ ولیم بیکر نے اپنی کتاب میں مصری اخبارات کے حوالے سے ایک ۳۳ سالہ نوجوان عادل عبدالباقی کی کہانی بیان کی ہے۔ یہ نوجوان سولہ برس تک مختلف انتہا پسند گروہوں سے وابستہ رہا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو اس نے اپنے ذہنی سفر کی کہانی سنائی۔اس کا کہنا تھا کہ اس میں انتہا پسند خیالات پیدا کرنے میں مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ کی کتاب 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' اور سید

© rasailojaraid.com

قطبؒ کی معالم في الطریق نے اہم کردار ادا کیا۔عبد الباقی نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح ان متشدد جماعتوں میں تکفیر اور استحلال کے تصورات کو فروغ ملا۔''

(سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء،ص ۱۱۸)

یعنی متجددین تو اُمتِ وسط ٹھہرے اور اسلامی تحریکیں متشددین قرار پائیں۔آج کل ہر کوئی جماعت اپنے آپ کو معتدل و متوازن فکر کا حامل قرار دینے کی دعویدار ہے، لیکن اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کیسے ہو گا کہ مصر کی 'وسطانیہ' تحریک کے رہنما شیخ محمد الغزالی، طارق بشری اور فہمی ہویدی وغیرہ تو معتدل جبکہ مولانا مودودیؒ اور سید قطب شہیدؒ 'انتہا پسند' مولوی' ہیں؟ مولانا مودودیؒ یا سید قطب شہیدؒ اس جرم کی پاداش میں انتہا پسند ٹھہرے کہ وہ صرف اللہ ہی کی حاکمیت کا نعرہ لگاتے ہیں یا وہ عورتوں کے لیے نقاب کو لازم قرار دیتے ہیں، جس کی تردید کو خورشید ندیم صاحب نے اُمتِ وسط ہونے کا معیار ٹھہرا لیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر رسالہ اجتہاد کے 'مدیر مسئول' یا 'مہمان مدیر' یا 'مجلس ادارت' راسخ فکر علماء پر مشتمل ہوتی اور اس رسالے میں عالم اسلام میں ہونے والے اجتہادات کو اگر پیش کیا جاتا تو اس رسالے کی شکل وصورت، ہیئت وترکیب، ترتیب وتنظیم اور جمع وتدوین یکسر مختلف ہوتی۔ مثال کے طور پر مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کی کتاب 'اسلام اور مغربیت کی کشمکش' میں جب طالبینِ حق مصر کی مختلف اسلامی تحریکوں، علمی حلقوں اور مذہبی جماعتوں کے تاریخی پس منظر میں پیش کی جانے والی معتدل تحقیق کا مطالعہ کرتے ہیں تو موضوع ایک ہونے کے باوجود خورشد احمد ندیم اور علی میاںؒ کے مضامین، نتائج اور اُسلوبِ تحریر میں زمین وآسمان کا فرق پاتے ہیں۔ہمیں تو یہی نظر آتا ہے کہ کچھ نااہل ومتعصب دانشور اجتہاد کے نام پر اکٹھے ہو گئے ہیں اور ساری دنیا میں اپنے جیسوں کو تلاش کر کے رسالہ اجتہاد کے ذریعے حکومتی خرچے پر ان کے کام کا تعارف کروانا چاہتے ہیں۔ ذیل میں ہم رسالہ اجتہاد میں 'اجتہاد' کے نام سے پیش کیے جانے والے فکری انتشار پر کچھ روشنی ڈال رہے ہیں:

جناب الطاف احمد اعظمی کا نظریۂ اجتہاد

رسالہ 'اجتہاد' نے جامعہ ہمدرد، بھارت کے شعبہ علومِ اسلامیہ کے ڈین جناب الطاف احمد

© rasailojaraid.com

اعظمی کا ایک مضمون 'خطبہ اجتہاد پر ایک نظر' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔اس مضمون کی آخری سطور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مضمون جناب مصنف کی ایک کتاب 'خطباتِ اقبال؛ ایک مطالعہ' کے ایک باب کی تلخیص ہے۔اب یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ تلخیص کس نے کی؟ اس مضمون کو رسالہ اجتہاد میں شائع کرنے کی خواہش خود مصنف کی طرف سے تھی یا رسالہ اجتہاد کے مدیران کو مصنف کے فکری انتشار نے گرویدہ بنا لیااور اُنہوں نے اس تحریر کو شائع کر دیا۔ جو بھی صورت ہو، الطاف صاحب لکھتے ہیں:

''اس گفتگو سے ہم اس نتیجے تک پہنچے کہ قرآنِ مجید میں جن معاملاتِ زندگی سے متعلق تفصیلی احکام دیے گئے ہیں، وہ نا قابل تغیر ہیں اور جہاں یہ تفصیل نہیں ہے، وہاں بالقصد تفصیل سے گریز کیا گیا ہے تا کہ ان اُمور میں حالات ومقتضیاتِ زمانہ کے لحاظ سے تفصیلی احکام بنائے جائیں،اسی کا نام 'اجتہاد' ہے، اس سلسلے میں نبی ﷺ کے اجتہادات کی حیثیت [محض] نظائر کی ہے۔ یہاں ایک اہم سوال اُٹھتا ہے کہ کیا نبی ﷺ کی تشریحاتِ نصوص یعنی اجتہادات کی حیثیت دائمی ہے یعنی نا قابل تغیر اور ہر دور کے حالات میں خواہ وہ عہدِ نبویؐ کے حالات سے یکسر مختلف ہوں، کسی ردّ وبدل کے بغیر واجب التعمیل ہیں؟ کم نظر علما کا خیال ہے کہ اجتہاداتِ نبوی دائمی ہیں اور ان میں کوئی ترمیم و اضافہ جائز نہیں ہے۔اس سلسلے میں قولِ حق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے وہ اعمال جو عبادات اور اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں، نا قابل تغیر ہیں، لیکن معاملات سے متعلق احکام کی حیثیت دائمی نہیں ہے بلکہ حالات وظروف زمانہ کے لحاظ سے ان میں تبدیلی ہوسکتی ہے...اسلامی قانون کے ماخذ کی نسبت اس تفصیلی گفتگو سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مستقل بالذات ماخذِ قانون کی حیثیت صرف قرآنِ مجید کو حاصل ہے اور وہ دائمی یعنی نا قابل تغیر ہے۔ دیگر مآخذِ قانون کی یہ حیثیت نہیں ہے، وہ احوال وظروفِ زمانہ کے تابع ہیں یعنی قابل تغیر جیسا کہ بیان ہوا۔'' (ص۳۰،۳۱،۳۵)

الطاف صاحب کا خیال ہے کہ جن معاملات میں قرآن کے احکامات مجمل ہیں، ان مجمل احکامات کی تشریح میں وارد آپؐ کی احادیث کی حیثیت دائمی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی ایسی احادیث آپؐ کے اجتہادات ہیں اور یہ احادیث صرف آپؐ ہی کے زمانے کے تہذیب وتمدن کے مسائل کے حل کے لیے ہی تھیں۔گویا شریعتِ محمدیؐ کی حیثیت ایک نظیر کی ہے جس طرح

© rasailojaraid.com

بعد کے خلفا یا مجتہدین کی فقہ بھی ایک نظیر کی حیثیت کی حامل ہے۔ یہ غلام احمد پرویز کے نظریۂ 'مرکز ملت' ہی کی بازگشت یا اس کا جدید ایڈیشن ہے۔اسی بنا پر پروفیسر الطاف صاحب کا کہنا یہ بھی ہے کہ ان کی قبیل کے مجتہدین کو قرآن کی مجمل نصوص کی تشریحات آج کے احوال وظروف کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے کرنی چاہئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علماے حق کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کی سنن اور احادیث چاہے ان کا تعلق قرآن کے کسی مجمل حکم کی شرح سے ہو یا وہ قرآن کے علاوہ کسی نئے حکم کا ماخذ ہوں ، ہر دو صورتوں میں دائمی اور ناقابل تغیر حیثیت کی حامل ہیں۔ ان احادیث کا مقام اُمتی مجتہدین وفقہا کی آرا کی طرح محض ایک نظیر کا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے ارشادات کا مقام ومرتبہ متعین کرنا پروفیسر الطاف صاحب کا کام نہیں ہے بلکہ یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النساء:۵۹)

''اے اہل ایمان !اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی بات مانو۔ پس اگر کسی بھی مسئلے میں تمہارا (اولی الامر سے) جھگڑا ہو جائے تو تم اس مسئلے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ (یعنی قرآن وسنت) کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس قرآنی ہدایت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تو مستقل ہے جب کہ اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے، بلکہ اگر اُولی الامر کا باہمی یا کسی دوسرے کا ان سے اختلاف ونزاع ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول ﷺ (کتاب وسنت) کی طرف رجوع کرنا ہی ہوگا۔ ان اختلافات کے بارے میں واضح رہے کہ یہ اختلافات نصوص کی تعبیر وتشریح اور ان کے اطلاقات سمیت جملہ انسانی معاملات میں ہو سکتے ہیں۔ ان تمام کے بارے میں ربانی ہدایت یہی ہے کہ ان معاملات میں کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا اور اس وقت اُولی الامر کی عوام پر اتھارٹی ختم ہو جائے گی۔

© rasailojaraid.com

ملاحظہ فرمایئے کہ اس آیتِ مبارکہ کے دوسرے جزء ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ میں شيء نکرہ وارد ہوا ہے اور لغتِ عرب کا یہ معروف قاعدہ ہے کہ جب نفی، نہی یا کسی استفہام وشرط کے سیاق میں نکرہ ہو تو وہ اپنے عموم میں نص بن جاتا ہے یعنی پھر اس سے عموم بیان کرنا متکلم کا منشا ہوتا ہے۔ (الوجیز: ص ۳۰۸) لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قسم کے مسئلے میں بھی اگر شرعی حکم کے حوالے سے بحث ہو جائے تو اس مسئلے کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اَب ذرا اعظمی صاحب کے نظریے کا جائزہ نبی ﷺ کی اس حدیث کی روشنی میں لیجئے:

«يوشك الرجل متكئًا على أريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول بيننا وبينكم كتاب الله ما وجدنا فيه من حلال استحللناه وما وجدنا فيه من حرام حرّمناه وإن ما حرم رسول الله ﷺ مثل ما حرم الله»

(سنن ابن ماجہ، کتاب المقدمہ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ)

''(وہ زمانہ) قریب ہے کہ ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور اس کے پاس میری احادیث میں سے کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو وہ شخص کہے گا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے پس جس کو اللہ کی کتاب نے حلال ٹھہرا دیا تو ہم بھی اس کو حلال سمجھیں گے اور جس کو ہم نے اللہ کی کتاب میں حرام پایا تو ہم بھی اسے حرام قرار دیں گے (اور یہی ہمارے لیے کافی ہے)۔ (خبردار!) بے شک جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے، وہ اسی طرح حرام ہے جیسے کسی شے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے سنت میں بیان شدہ کسی بھی حلال یا حرام شے کی حلت یا حرمت کے منکر کو ایک فتنہ پرور شخص قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس اعتبار سے سچ ثابت ہوئی ہے کہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں نام نہاد مفکرین اور عقلیت پسند احادیثِ رسولؐ کا کسی نہ کسی انداز سے انکار کرتے ہی رہے ہیں۔ بعض نے اپنے نظریات کے منافی سنن واحادیث کو نظائر تاریخی قرار دے کر ان کی شرعی حیثیت کا اِنکار کردیا جیسا کہ غلام احمد پرویز کا موقف تھا جبکہ بعض نے اپنے موقف کے خلاف حدیث کے انکار کے لیے حیلوں بہانوں سے کام لیا جیسا کہ الطاف اعظمی کا خیال ہے کہ اخلاق

© rasailojaraid.com

وعبادات سے متعلق احادیث تو قابل قبول ہیں، لیکن ان کے علاوہ معاشیات، سیاسیات، معاشرت، جہاد وقتال، حدود و جنایات، قضا، طعام و قیام، لباس وزینت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مروی احادیث قرآن کی ایسی تشریح تھیں جو صرف آپؐ کے زمانے کے لیے واجب العمل تھی۔ یہ نکتہ نظر پبلک لاء کی حد تک ہو بہو غلام احمد پرویز کا ہے۔ الطاف صاحب کا یہ نظریہ ان کی ایک ذاتی رائے ہے جس کی کوئی شرعی دلیل تاحال ان کو نہ مل سکی، بلکہ دلیل تو ان کے اس نظریے کے خلاف قائم ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث پروفیسر صاحب کے نکتہ نظر کا پرزور ردّ کر رہی ہے۔ اس طرح ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا:

”فقال كيف تقضي فقال أقضي بما في كتاب الله قال فإن لم يكن في كتاب الله قال فبسنَّة رسول الله. قال فإن لم يكن في سنة رسول الله. قال اجتهد رأيـي“ (سنن الترمذی، كتاب الأحكام عن رسول الله، باب ما جاء في القاضي كيف تقضي)

”آپؐ نے پوچھا کہ تم کیسے فیصلہ کرو گے تو حضرت معاذؓ نے کہا: جو کتاب اللہ میں ہے، میں اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ اگر وہ (مسئلہ صریحاً وتفصیلاً) کتاب اللہ میں نہ ہو تو حضرت معاذؓ نے کہا: میں سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا (کیونکہ اس میں صراحت اور تفصیل قرآن کی نسبت زیادہ ہے)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر وہ (مسئلہ صریحاً وتفصیلاً) سنتِ رسول ﷺ میں بھی نہ ہو۔ حضرت معاذؓ نے جواب دیا: میں اپنی رائے (بنانے) میں اجتہاد (یعنی قرآن وسنت میں پوری کوشش و طاقت صرف کر کے استنباط) کروں گا۔“

یہ روایت ثبوت کے اعتبار سے اگرچہ مختلف فیہ ہے۔ جلیل القدر محدثین تو فن حدیث کی رو سے اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، لیکن مسلم قرونِ وسطیٰ کے بہت سے اُصولی علما اسے معرضِ استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ معتدل مزاج متاخرین نے یوں تطبیق دی ہے کہ «لا تجتمع أمتي على الضلالة» (اجماع کی دلیل والی روایت) کی طرح اس کا متن تو معیاری نہیں، لیکن کتاب وسنت کے بعد درجہ اجتہاد کی حد تک اس کا مفہوم درست ہے، اسی لیے اُصول

© rasailojaraid.com

کی کتابوں میں متذکرہ بالا دونوں روایتیں اجماع اور اجتہاد کی دلیل کے طور پر اکثر پیش کی جاتی ہیں۔

اس روایت کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کا یہ سوال کہ ''تم کیسے فیصلہ کرو گے؟'' صرف عقیدے یا اخلاقیات کے جھگڑے کے بارے میں نہ تھا بلکہ ہر قسم کے اختلاف کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا کہ اس کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ حکمران یا گورنر کی طرف اکثر وبیشتر انسانوں کے باہمی معاملات Public Laws سے متعلقہ تنازعات کے حل کے لیے ہی لوگ رجوع کرتے ہیں۔

الطاف صاحب نے جن معروف علماے کرام کو 'کم نظر' ہونے کا طعنہ دیا ہے اس پر ہمیں کوئی گلہ نہیں ہے، کیونکہ صائب فکر علما کتاب وسنت سے آگے بڑھ کر تیز نظر نہیں ہوتے، کیونکہ شریعت کی پابندی ہی سلامتی کی ضامن ہے اور بدعت واضافہ گمراہی! متجددین کو یہ 'تیز نظر' مبارک ہو۔ ایسی تیز نظری اگر واقعتاً کوئی اعلیٰ صفت ہوتی تو 'اُلو' میں یہ صفت نہ پائی جاتی، جو اہل علم ودانش کے ہاں کم از کم قابل ستائش پرندہ نہیں ہے۔

جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کا نظریۂ اجتہاد

الطاف صاحب سے زیادہ بے باکانہ نکتہ نظر ڈاکٹر جاوید اقبال کا ہے کہ مجمل تو کیا قرآن کے مفصل احکامات میں بھی تغیر وتبدل ہوسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''قرآنِ پاک میں اللہ پاک نے عدل کے ساتھ احسان کی بھی ترغیب دے رکھی ہے، لہٰذا وہاں احسان کے معنی برابری کے لیے گئے۔ یعنی بعض حالات میں قرآن پاک میں مقرر کیے گئے وراثت کے حصص میں ردّ وبدل ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر میں چاہتا ہوں کہ میری جائیداد ساری کی ساری میری بیٹی کو ملے تو میں کیوں ایسا نہیں کرسکتا۔ بیٹی یا بہن سارا گھر چلاتی ہے لیکن جائیداد کی تقسیم کے وقت اسے آدھا حصہ ملتا ہے... میرا موقف یہ ہے کہ ایک نئی فقہ پارلیمنٹ کے ذریعے بنائی جائے جس میں امامیہ، حنفی، مالکی وغیرہ سب مکاتبِ فکر شامل ہوں جس میں ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق اپنے مسئلے کا حل نکال لے۔''

(سہ ماہی 'اجتہاد': جون ۲۰۰۷ء، ص ۸۵)

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر اعظمی کے بقول ڈاکٹر اقبالؒ بھی اسی نظریہ کے حامل ہیں، گویا اُنہوں نے اپنی کتاب 'تشکیلِ جدید' میں یہی بیان کیا ہے۔ الطاف احمد اعظمی صاحب اس نکتہ نظر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گزشتہ صفحات میں ہم نے اسلامی قانون کے مآخذ کے بارے میں اقبال کے خیالات کا جو تنقیدی جائزہ لیا ہے، اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ وہ ان مآخذ کے بارے میں ایک واضح تصور رکھتے تھے۔ لیکن اسلامی قانون کے اولین ماخذ یعنی قرآنِ مجید کے متعلق ان کے خیالات بہت واضح نہیں تھے۔ مثلاً ان کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے بعض احکام مقامی نوعیت کے ہیں اور ان کا اطلاق بعد کے زمانوں میں نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے جرائم کی ان سزاؤں کا ذکر کیا ہے جو قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ یہ سزائیں عربوں کے مزاج اور ان کے مخصوص تمدنی حالات کے تحت مقرر کی گئی تھیں، اس لیے مستقبل کی مسلم اقوام پر ان کو جوں کا توں نافذ کرنا صحیح نہ ہوگا۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': جون ۲۰۰۷ء، ص ۳۵)

اللہ ہمارے ان معاصر دانشوروں کو ہدایت دے، یہ اس مسئلے میں اجتہاد کیوں نہیں کرتے کہ یہ سب اجتہاد کی تعریف یا اس کے اطلاق وانطباق پر ہی کم از کم متفق ہو جائیں۔ الطاف صاحب، ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نقطہ نظر کا ردّ تو کر رہے ہیں، لیکن ان کے پاس نہ تو اقبال مرحوم کے تصورِ اجتہاد کی تردید میں کوئی دلیل ہے اور نہ ہی اپنے مزعومہ نظریۂ اجتہاد کی تائید میں کوئی استدلال۔ بھلا جب بات دلیل کے بغیر ہی کرنی ہو تو غلام احمد پرویز کی طرح کوئی سر پھرا یہ تصورِ اجتہاد بھی پیش کرسکتا ہے کہ قرآن کے سارے ہی احکامات اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے کی تہذیب وتمدن کے ساتھ خاص تھے۔ یعنی نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری!

ڈاکٹر جاوید اقبال نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک ایسی نئی فقہ بنانی چاہیے کہ جس میں ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق مسئلے کا حل نکالے۔ جب اپنی ذاتی پسند ہی معیارِ اجتہاد ٹھہرا تو ایسی نئی فقہ☆

☆ قرآنِ کریم تو وراثت میں حصص مقرر کرکے واضح اعلان کرتا ہے: ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (النساء:۱۱) یعنی یہ تعیینِ حصص اللہ کی مقرر کردہ تقسیم ہے اور اللہ ہی دائمی علم وحکمت والا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال اپنی حکمت ودانش سے یہ شگوفہ چھوڑ رہے ہیں کہ تمام فقہا جس اصول پر متفق ہیں، وہاں بھی ان دانس وبینش سے تبدیلی کردی جائے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کی ترتیب وتدوین کے لیے ماشاء اللہ ڈاکٹر صاحب موصوف مناسب ترین آدمی ہیں، علماء کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟ زیادہ سے زیادہ ڈاکٹر صاحب کو یہ اجتہاد (کوشش) کرنا ہو گا کہ دل سے پوچھنا پڑے گا کہ تجھے شراب پینا پسند ہے یا نہ پینا؟ نفس سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ اسے نماز پڑھنا پسند ہے یا نہ پڑھنا؟ بلکہ دل و دماغ سے یہ بھی رائے لی جا سکتی ہے کہ اسے کسی خدا کے وجود کو ماننا پسند ہے یا نہ ماننا؟ باقی رہے اس پسند و ناپسند کے دلائل، تو عقل خدا نے کس لیے دی ہے؟ آخر وہ کس کام آئے گی؟ آخر اسی عقل ہی نے تو بعضوں کو سمجھایا کہ اتنی پی لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جس سے دماغ خراب نہ ہو۔ ہمیں اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس نئی فقہ کی تدوین کے ذریعے نفس پرستوں کے ایک ایسے فرقے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴾ (الفرقان:۴۳)

''اے نبی ﷺ! کیا آپؐ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہشِ نفس (پسند) کو اپنا معبود بنا لیا ہے (یعنی ہر مسئلے میں اپنی پسند کو ترجیح دیتا ہے) کیا آپؐ ایسے شخص کی ذمہ داری اُٹھائیں گے؟۔''

جناب ڈاکٹر صاحب نے ایک اور نیا شوشہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ اجتہاد علما کی بجائے وکلا کو کرنا چاہیے۔ چونکہ علما جدید قانون سے واقف نہیں ہیں، لہٰذا وکلا کو اسلامی فقہ اور اُصولِ فقہ سے متعلق ایک دو اضافی مضامین پڑھا کر مجتہد کی سند جاری کر دینی چاہیے۔ رسالہ 'اجتہاد' میں ہے:

''جناب جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اجتہاد کا تعلق بہت حد تک قانون کی تعلیم سے ہے۔ پاکستان میں بہت شروع سے اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ملک کے قانونی تعلیم کے اداروں میں 'جیورس پروڈنس' یا فلسفہ قانون کی تعلیم دی جائے اور جدید قانون کے ساتھ اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ بھی تعلیم میں شامل ہو۔ اس طرح جو قانون کے اداروں سے فارغ التحصیل قانون دان ہوں، وہ علما کی جگہ لے سکیں گے کیونکہ وہ جدید قانون کے ساتھ فقہ سے بھی شناسا ہوں گے، اس طرح قانونی تعلیم میں اصلاح کا آغاز ہو گا۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': جون ۲۰۰۷ء، ص۳)

ویسے ڈاکٹر جاوید اقبال جس قسم کا اجتہاد کرنا چاہتے ہیں (یعنی ذاتی پسند کے مسئلے نکالنا)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اس کے لیے واقعتاً ڈاکٹر صاحب جیسے ججوں اور وکلا ہی کی جماعت زیادہ مناسب رہے گی۔

جناب راشد شاز کا نظریۂ اجتہاد

ویسے تو رسالہ اجتہاد کے تقریباً تمام دانشوروں کی شان ہی نرالی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر دانش ور کچھ ایسے اوصاف ونظریات کا حامل ومبلغ ہوتا ہے جو دوسرے کسی دانش ور میں موجود نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال قرآن کے مفصل احکامات میں اجتہاد (ردّ و بدل) کے داعی ومبلغ ہیں تو پروفیسر الطاف صاحب قرآن کے مجمل احکامات کی تفسیر میں مروی احادیث کا انکار کرتے ہوئے اجتہاد کرنے کے پرجوش حامی ہیں۔ راشد شاذ صاحب کا خصوصی ذوق وشوق یہ ہے کہ تمام قدیم فقہی مذاہب وآرا کو آنِ واحد میں یکسر مسترد کرتے ہوئے نئے سرے سے قرآن کی شرح وتفسیر کی جائے اور جدید حالات اور تہذیب وتمدن کے مطابق سارے دین کی ایک ایسی تشکیل نو کی جائے، جس میں کسی سابقہ عالم دین کا تذکرہ یا حوالہ تو کیا نام تک بھی موجود نہ ہو۔ جناب راشد شاز صاحب لکھتے ہیں:

''جدید مصلحین کو ابتدا ہی سے اس بات کا التزام کرنا ہوگا کہ وہ تاریخی اسلام اور نظری اسلام میں نہ صرف یہ کہ امتیاز کریں بلکہ مطالعہ قرآنی میں ایک ایسے منہج کی داغ بیل ڈالیں جس کے ذریعے انسانی تعبیرات اور التباسات کے پردوں کا چاک کیا جانا ممکن ہو۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے جب ہر مسئلہ کو از سرنو تحقیق و تجربہ کا موضوع بنایا جائے اور ہر مسئلہ پر قرآنی دائرۂ فکر میں از سرنو گفتگو کا آغاز ہو۔ یقین جانئے، اگر ہم قرآنِ مجید کو حَکَم مانتے ہوئے اپنے تہذیبی اور علمی ورثے کا ناقدانہ جائزہ لینے کی جرات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم خود کو فکری طور پر نزولِ وحی کے ان ایام میں پائیں گے جب وحی کی ضیا پاشیاں ہمارے قلب ونظر کو منور اور ہمارے ملی وجود کو طمانیت سے سرشار رکھتی تھیں۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء، ص۴۷)

جناب راشد شاذ اپنے جیسے نام نہاد مصلحین کو بڑا اچھا مشورہ فراہم کر رہے ہیں، کیونکہ ان لوگوں نے بھی تو دنیا میں کچھ کرنا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جتنا عرصہ ان مصلحین کو دین کی نئی تعبیر یا تشکیل میں لگے گا تو اس وقت تک یا تو یہ مصلحین اس دنیا سے رخصت ہو کر قدما میں شامل ہو چکے ہوں گے یا پھر دنیا بہت ترقی کر چکی ہو گی لہٰذا آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ان مفکرین کی نئی تعبیر وتشکیل قدیم بن جائے گی اور اگر آئندہ آنے والی نسل جناب راشد شاز

© rasailojaraid.com

کے اس نظریہ کو تسلیم کر لیں کہ ہر قدیم تعبیر کو ردّ کر دو تو وہ راشد شاذ کی تشکیل نو کو دیوار سے مارتے ہوئے یہ نعرہ لگائیں گے کہ اس تعبیر دین کو بھی کسی کوڑے کرکٹ کے ڈرم میں پھینک کر دین کی جدید ترین تعبیر کی تلاش میں سرگرم ہو جاؤ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔اس طرح چودہ صدیوں میں اگر چھ سات فقہیں سامنے آئی ہیں تو اب ایک صدی میں چھ یا سات سوئی تعبیریں وجود میں آ جائیں گی، کیونکہ ان کی نظر میں پرانے زمانوں میں مجتہد کم ہوتے تھے اب تو ماشاء اللہ ہر دوسرا دانش ور مجتہد ہونے کا دعویدار ہے۔اور وہ دن دور نہیں ہے کہ جب یہ متجد دین اپنے بچوں کے نام کے ساتھ بھی مجتہد کا سابقہ یا لاحقہ لگانے کے لیے کوئی 'مجتہد ماڈل پبلک سکول' بھی کھول لیں۔ایک اور جگہ راشد شاز صاحب لکھتے ہیں:

"نئے مصلحین کو اس بات کا التزام بھی کرنا ہوگا کہ وہ وحی ربانی کے مقابلہ میں صدیوں کے متوارث عمل کو، خواہ اس پر مفروضہ اجماع کی مہر ہی کیوں نہ لگ گئی ہو، از سر نو تحلیل و تجزیے کا موضوع بنائیں۔اب یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ کسی مخصوص مسئلے پر فلاں فلاں فقہاء اور ائمہ کی کتابوں میں یوں لکھا ہے یا یہ کہ فلاں مسئلہ پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے جسے از سر نو بحث کی میز پر نہیں لایا جا سکتا۔ خدا کے علاوہ انسانوں کے کسی گروہ کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اجماع کی دھونس دے کر یا اہل حل و عقد کے حوالے سے ہمیں کسی مسئلہ پر تحلیل و تجزیے سے باز رکھے۔" (سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۸۷)

راشد صاحب کو پتہ نہیں کس نے 'اجماع' کی دھونس لگا دی، جو وہ اس قدر سیخ پا ہو رہے ہیں۔ ویسے راشد صاحب کو اس غم میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی ان کو اجماع کے خلاف رائے اختیار کرنے پر جبر و تشدد کا نشانہ بنائے گا۔ یہاں تو لوگ سنت، سنت کیا قرآن کا انکار کر دیتے ہیں لیکن کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہے۔ ہندو، سکھ، عیسائی، قادیانی، اہل تشیع، منکرینِ حدیث وغیرہ اسی ہند و پاک کے معاشرے میں رہتے ہیں۔ آج تک اُنہیں تو کسی نے اجماع کی دھونس نہیں لگائی۔ اگر تو راشد شاز صاحب کا اجماع کی دھونس سے مراد کسی عالم دین کا اِجماع کی پابندی کرنے پر زور دینا اور اس سے متعلقہ علمی دلائل کو بیان کرنا ہے تو پھر یہ دھونس تو راشد شاز بھی یہ کہہ کر علماء کو لگا رہے ہیں کہ 'اجماع کی پابندی نہ کرو'۔ اگر اپنی رائے کے حق میں دلائل بیان کرنا اور اس پر اِصرار کرنا دھونس ہے تو ہماری نظر میں سب سے زیادہ

© rasailojaraid.com

دھونس لگانے والے تو رسالہ 'اجتہاد' کے نام نہاد مجتہدین ہیں جو بغیر دلیل کے معتدل فکر اور راسخ العلم علما کو متشدد، متعصب، کم نظر وغیرہ جیسے سابقوں اور لاحقوں سے نوازتے رہتے ہیں۔

راشد صاحب کو اصل بے چینی یہ ہے کہ ان کے اس قدر چیخنے و چلانے کے باوجود بھی لوگ قدیم فقہی اجتہادی آرا پر اعتماد کیوں کرتے ہیں؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ راشد صاحب کی اس بے چینی کا علاج سوائے نیند کی گولیوں کے اور کچھ نہیں ہے، کیونکہ جو قوم چودہ سو سال تک ائمہ سلف سے اپنا رشتہ جوڑنے پر مصر رہی ہو، وہ جناب راشد شاز کے عظیم مشوروں کی بدولت اپنے صالح آباؤ اجداد اور ان کی علمی میراث سے قطع تعلقی پر کیسے آمادہ ہو جائے گی؟ لوگ صدیوں سے قرآن وسنت کی تفہیم میں ائمہ سلف کو اہمیت دیتے رہے ہیں اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا، اِلا یہ کہ سابقہ متجددین کے زندگی بھر کے حاصل کی طرح کوئی چالیس، پچاس آدمی راشد شاز صاحب کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ان کے فکری جہاد کی تحریک میں شامل ہو کر 'ثواب دارین' حاصل کریں۔

جناب جاوید احمد غامدی کا تصورِ اجتہاد

جناب جاوید احمد غامدی بھی پرویز مشرف کی روشن خیال اسلامی نظریاتی کونسل کے کلیدی رکن اور رسالہ 'اجتہاد' کی مجلس ادارت کے ممبر ہیں۔کونسل کے ممبران کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے رکن بننے سے قبل تبصرہ یہ تھا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے مجتہدین اجتہاد کے اہل نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''اسلام کے بارے میں جو شکوک وشبہات یا سوالات اس وقت دنیا میں پیدا ہو رہے ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق فقہ وشریعت ہی سے ہے۔ جہاد وقتال کی حدود وشرائط ، نظم سیاست اور اس میں شوریٰ کی نوعیت، نظم معیشت اور سودی نظام کے مسائل، خواتین کے حوالے سے پردہ، تعددِ ازواج اور طلاق وغیرہ کے احکام، شہادت اور دیت کے بارے میں قوانین، قتل، زنا، چوری اور ارتداد جیسے جرائم کی سزائیں، موسیقی، مصوری اور دیگر فنونِ لطیفہ کی شرعی حیثیت اور اس نوعیت کے متعدد موضوعات ہیں، جن کے بارے میں سوالات زبان زد عام ہیں۔ ہمارے علماء کے پاس چونکہ ان سوالات کے تسلی بخش جواب نہیں ہیں، اس لیے یہ تصور قائم کیا جارہا ہے کہ اسلامی شریعت عہدِ رفتہ کی یادگار ہے...اس تناظر میں اسلامی نظریاتی کونسل سے

© rasailojaraid.com

مقصود اصل میں یہی ہے کہ اوّلاً: اسلامی شریعت کے بارے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کو رفع کرے۔ثانیاً: اجتہادی معاملات کو متعین کرے اوران میں اپنی اجتہادی آرا سے قوم وملت کو آگاہ کرے۔ ثالثاً: پارلیمنٹ کی رہنمائی کے لیے انفرادی اوراجتماعی معاملات کے بارے میں قوانین کو مرتب کرے...اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی نظریاتی کونسل ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ تو میرے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے؟اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا نظامِ تعلیم ایسے جید علما تیار کرنے سے قاصر ہے جو دورِ جدید کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے اہل ہوں۔ یہ نظامِ تعلیم تقلیدِ جامد کے اُصول پر قائم ہے، اس کا اصرار ہے کہ دین کی تعبیر وتشریح کے حوالے سے قدیم علما کا کام ہر لحاظ سے مکمل ہے، ان کے کام کی تفہیم اور شرح و وضاحت تو ہوسکتی ہے مگر اس پر نظر ثانی کی کوئی گنجائش نہیں۔دورِاوّل کے فقہا نے جو اُصول وقوانین مرتب کیے ہیں، وہ تغیراتِ زمانہ کے باوجود قابل عمل ہیں، اس ضمن میں تحقیق واجتہاد کی نہ ضرورت ہے کہ نہ اس بات کا اَب کوئی امکان کہ کوئی شخص مجتہد کے منصب پر فائز ہو سکے۔ ہمارے علما اسی نظامِ تعلیم کی پیداوار ہیں، چناچہ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں ہوں یا کسی ادارے کی صورت میں مجتمع ہوکر اپنے فرائض انجام دے رہے ہوں، وہ اس کی اہلیت ہی سے محروم ہیں کہ اسلامی شریعت کی شرح و وضاحت کرسکیں یا جن معاملات میں شریعت خاموش ہے، ان کے بارے میں اپنی آرا پیش کرسکیں۔ یہی علما اسلامی نظریاتی کونسل کا حصہ ہیں، لہٰذا اس ادارے سے اس کی توقع رکھنا عبث ہے کہ اسلامی شریعت کے بارے میں ان سوالات کا جواب دے سکیں، جو ذہین مسلمان عناصر کی جانب سے اُٹھائے جا رہے ہیں اور ان شکوک وشبہات کو رفع کرسکیں، جن کا اسلام کو عالمی سطح پر سامنا ہے۔'' (ص ۱۴۲،۱۴۳)

جناب جاوید احمد غامدی کا اسلامی نظریاتی کونسل کے مجتہدین کے بارے میں یہ تبصرہ دسمبر ۲۰۰۵ء کے روزنامہ 'جنگ' میں شائع ہوا ہے۔اور صرف ایک ماہ بعد جنوری ۲۰۰۶ء میں غامدی صاحب کو کونسل کا رکن منتخب کرلیا گیا۔غامدی صاحب کے علماء کے ساتھ تعصب کو داد دیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہونے کا سبب ان کے علماء ہونے کو ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ جب غامدی صاحب نے یہ بیان دیا تو رسالہ 'اجتہاد' کے مطابق اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کے اکثر اراکین وہ تھے جن کا علما سے کوئی دور پار کا بھی رشتہ نہ تھا۔مثال کے طور پر

© rasailojaraid.com

۱۔ جناب ڈاکٹر محمد خالد مسعود، پی ایچ ڈی اسلامیات، میک گل یونیورسٹی، کینیڈا
۲۔ جناب ڈاکٹر منظور احمد، پی ایچ ڈی، لندن یونیورسٹی
۳۔ جناب جسٹس (ر) ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، پی ایچ ڈی، کیمبرج یونیورسٹی
۴۔ جناب جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل، سابق جج لاہور ہائی کورٹ
۵۔ جناب جسٹس (ر) حاذق الخیری
۶۔ جناب پروفیسر مظہر سعید کاظمی
۷۔ محترمہ ڈاکٹر پروفیسر سید بی بی
۸۔ جناب حاجی محمد حنیف طیب
۹۔ جناب مولانا عبد اللہ خلجی
۱۰۔ جناب پیر سید دامن علی

کیا ان اراکین کی اکثریت مدارسِ دینیہ کے نظام تعلیم سے ہی گزری ہے۔ یا یہ حضرات عوام کے ہاں معتمد علماے دین شمار ہوتے ہیں؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ غامدی صاحب نے، علماء کے نام سے جو تین، چار افراد سیاسی بنیادوں پر کونسل کے رکن بنائے گئے تھے، کو دھکے سے طبقہ علماء کے قائد و رہنما باور کراتے ہوئے علما پر نقد کے اس موقع کو غنیمت سمجھا تھا۔ حالانکہ ان دو چار علما میں سے کسی کی اگر کوئی اہمیت ہے بھی تو یہی کہ وہ صاحب اقتدار کی خوشامد و چاپلوسی کے ماہر ہیں۔ مولانا عبد اللہ خلجی صاحب دامت برکاتہ کے بارے میں پرویز مشرف کی بلائی گئی ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں بتایا گیا کہ اس مجلس کے دوران خوشامدی حضرات کا مقابلہ ہو رہا تھا جس میں جناب عبد اللہ خلجی کافی نمایاں تھے، لیکن جب وہاں سے نکل کر سرکاری گاڑی میں بیٹھے تو پرویز مشرف کی برائیاں شروع کر دیں، اُنہیں جب یاد کرایا گیا کہ آپ وہی عبد اللہ خلجی ہیں جو مجلس میں خوشامد کرنے میں سب سے پیش پیش تھے تو کہنے لگے کہ ہم یہاں اپنے کاموں کے لیے آتے ہیں، ہم کوئی مخلصانہ مشورہ دینے تو نہیں آتے۔ خوشامد ہماری ضرورت ہے۔

غامدی صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن وسنت جن مسائل میں خاموش ہیں، علما ان مسائل میں اجتہاد کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔ ہم غامدی صاحب کی اس بات سے یک گونہ متفق ہیں، کیونکہ ثقہ علماء کے تصورِ اجتہاد کے مطابق قرآن وسنت کسی بھی مسئلے میں کبھی خاموش نہیں ہوتے، لہٰذا علما کو قرآن وسنت کو خاموش کرانے اور نئی شریعت وضع کرنے کے لیے

© rasailojaraid.com

غامدی صاحب جتنی عقل واہلیت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

غامدی صاحب نے کچھ مسائل کا تذکرہ بھی کیا کہ ان مسائل کے بارے میں جدید ذہن کے شبہات وسوالات کا جوابات دینے سے علما قاصر ہیں۔اگر تو جواب سے مراد جدید ذہن کی خواہشِ نفس کے مطابق جواب ہے تو واقعتاً علما اس قابل نہیں ہیں کہ جدید ذہن کو ان کے شبہات کا جواب ان کے من چاہے تصورِ دین کی صورت میں دیں۔اور اگر جوابات سے مراد ان شبہات وسوالات کے بارے میں قرآن وسنت کی رہنمائی کو پیش کرنا ہے تو شاید غامدی صاحب کے تحقیقی ادارہ 'المورد' کی لائبریری میں اتنی کتابیں نہ ہوں گی، جتنے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کے مقالہ جات کے علاوہ تحقیقی کتب ان سوالات کے جوابات میں عالم عرب میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم لکھی جا چکی ہیں۔

بہرحال غامدی صاحب نے رسالہ 'اجتہاد' کے بجائے اپنے رسالے 'اشراق' میں ایک جگہ اپنے تصورِ اجتہاد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اجتہاد کا لغوی مفہوم کسی کام کو پوری سعی و جہد کے ساتھ انجام دینا ہے۔اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جس معاملے میں قرآن وسنت خاموش ہیں، اس میں نہایت غور وخوض کر کے دین کی منشا کو پانے کی جدوجہد کی جائے...اس اصطلاح کو اگر مذکورہ روایت کی روشنی میں سمجھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد سے مراد اپنی عقل وبصیرت سے ان اُمور کے بارے میں رائے قائم کرنا ہے جن میں قرآن وسنت خاموش ہیں یا اُنہوں نے کوئی متعین ضابطہ بیان نہیں کیا۔'' (ماہنامہ 'اشراق': جون ۲۰۰۱ص ۲۷،۲۸)

غامدی صاحب کو بس یہی فکر کھائے جاتی ہے کہ کسی طرح قرآن وسنت کو خاموش کروا دیں۔ بس جب ایک دفعہ ثابت ہو جائے گا کہ قرآن وسنت تو ان مسائل میں خاموش ہیں۔اب چاہے حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے عقل عام (Common Sense) کے فلسفہ سے رہنمائی حاصل کر لیں یا نام نہاد فطرتِ انسانی کے نظریے کے تحت شریعت کا ڈھانچہ تشکیل دینا شروع کر دیں۔ غامدی صاحب اس لحاظ سے تمام دانشوروں میں عقل مند ثابت ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے اس نکتے تک رسائی حاصل کر لی ہے کہ جب تک یہ فکر عام ہے کہ قرآن وسنت میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے، اس وقت تک ان جیسوں کے اجتہادی فکر کو قبولِ

© rasailojaraid.com

عام حاصل نہ ہوگا۔لہٰذا اُٹھتے بیٹھے یہ شور مچاؤ کہ قرآن وسنت جامع نہیں ہیں۔قرآن وسنت میں ہر مسئلے کا حل موجود نہیں اور دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے۔

حاصل کلام: مشہور مقولہ 'الکفر ملة واحدة' کی طرح گمراہ فرقے اور افراد بھی یکساں بنیادوں کے حامل ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی گمراہی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی کوشش ہوتی ہے۔غور فرمایئے کہ ہم نے مذکورہ بالا جن نام نہاد دانشوروں کا نظریۂ اجتہاد پیش کیا، ان سب کا مرکزی خیال غلام احمد پرویز کے مرکزِ ملت کا پرتو یا اس کے مختلف پہلو ہیں،جس کی رو سے شریعت محمدیہ قیامت تک تشکیل پانے والی نظائر میں سے ایک نظیر کی حیثیت بن جائے گی، گویا اجتہاد شریعتِ محمدیؐ میں اضافے یا تغیر وتبدل کا ہی دوسرا نام ہے۔ یعنی بعد رسالت تمام خلفا اور مسلمان حکمران جو اجتہاد کرتے یا کراتے رہے،ان کی حیثیت بھی اجتہادِ رسالت کی طرح نظائر کی ہے۔لہٰذا راشد شاز صاحب نے ان نظائر کو تاریخی اسلام قرار دے کر نظریاتی اسلام اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔اگر مذکورہ بالا بقیہ نظریات کا مرکزی خیال متعین کرنے کی کوشش کی جائے تو ان سب کا حاصل غلام احمد پرویز والا شریعت کا دائمی تغیر وتبدل والا نظریۂ تسلسل ہے۔دوسری طرف بعض متجددین آخر الزمان نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی آمد کا مقصد یہ نظریہ قرار دینے میں کوشاں ہیں کہ انسانی عقل بلوغت حاصل کرنے کے بعد حجاز میں اتنی مکمل ہو گئی تھی کہ شریعت محمدیؐ کی تشکیل کی صورت میں سامنے آئی۔اب اس کے بعد اجتہاد کے نام پر سارا کام اسی بالغ عقل کا ہے،اس لیے اس بالغ عقل کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے،حالانکہ یہ عقائد ملحدانہ ہیں۔عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے اس لیے وہ وحی ربانی کے تابع رہ کر تو مفید ہوسکتی ہے،لیکن شریعت کی تشکیل ناقص طور پر یا کامل طور پر کرنے لگے تو ترقی کی بجائے اتھاہ گہرائیوں میں گرانے والی ثابت ہوتی ہے۔

اسی لیے کسی گفتگو سے قبل یہ عقیدہ پختہ کرنے کی ضرورت ہے کہ شریعتِ محمدیہ کامل واکمل ہے۔محمد ﷺ کی طرف سے تکمیلِ رسالت کے بعد نظریۂ مرکزِ ملت یا نام نہاد بلوغتِ عقل کا نظریہ یا شریعت کی تکمیل اور اس میں اضافے کا نکتہ نظر ختم نبوت ورسالت کے عقیدہ کے منافی ہے۔اس موضوع پر مزید بحث ہم ان شاء اللہ 'محدث' کے قریبی شمارے میں کریں گے۔